نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل الذمہ

حافظ محمد سعد اللہ*

اسلامی ریاست میں اھل الذمہ یا غیر مسلم رعایا اور آج کی اصطلاح میں غیر مسلم اقلیتوں کا معاملہ ہمیشہ غیر معمولی اہمیت اور انتہائی توجہ بلکہ ترجیح (Priorty) کا حامل معاملہ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء اسلام نے اھل الذمہ یا غیر مسلم اقلیتوں کے مسائل و معاملات کو بڑی گہرائی اور باریک بینی سے دیکھا ہے۔ تمام فقہی مسالک کی امہات الکتب اور دوسری کتابوں میں جہاد، سیر، جزیہ اور عقد الذمہ جیسے ابواب وعنوانات کے تحت ان کے معاشی، معاشرتی، سیاسی اور مذہبی حقوق وفرائض، باہمی تعلقات، اور شخصی احوال (نکاح، طلاق اور عائلی مسائل وغیرہ) کے حوالے سے زندگی کا کوئی ایسا پہلو نظر نہیں آتا جس کو زیر بحث نہ لایا گیا ہو۔ اس سلسلے میں فقہ حنفی کے اولین مدون امام محمد بن حسن شیبانی (م۱۸۹ھ) کی ''السیر الصغیر'' اور ''السیر الکبیر'' اور پھر صاحب ''المبسوط'' علامہ ابو بکر محمد بن احمد السرخسی (م۴۸۳ھ) کی ''شرح السیر الکبیر'' تو بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ جن میں قرآن و حدیث کی روشنی میں قانون بین الممالک، جہاد کے آداب واحکام، محاربین، مستأمنین، جنگی قیدیوں، غیر ملکی سفیروں، صلح، تحکیم، اموال غنیمت، جزیہ وخراج، معاہدات جیسے سینکڑوں مسائل کے علاوہ اھل الذمہ کے احکام پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی طرح ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب البصری الماوردی (م۴۵۰ھ) کی ''الاحکام السلطانیہ'' اور بعینہ اسی ٹائٹل سے قاضی ابو یعلی محمد بن حسین الفراء الحنبلی (م۴۵۸ھ) کی کتاب (الاحکام السلطانیہ) میں جہاں اسلامی ریاست کے دستوری، انتظامی، عدالتی، مالی، حدود وتعزیرات، احتساب، فیٔ وغنیمت، عمال وقضاۃ کا تقرر اور امام وخلیفہ کے نصب وعزل جیسے سینکڑوں سیاسی مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے وہاں اھل الذمہ کے احکام و مسائل کی تفصیلات بھی بیان کی گئی ہیں۔ بعض علماء نے تو اس موضوع پر مستقل تالیفات مرتب کی ہیں مثلاً مشہور محدث وفقیہہ علامہ ابن قیم الجوزیہ (م۷۵۱ھ) کی ''احکام اھل الذمہ'' کے عنوان سے دو جلدوں (تقریباً ساڑھے چھ سو صفحات) پر مشتمل کتاب موجود ہے۔ جس میں دیگر متعلقہ مسائل واحکام کے علاوہ ذمیوں کے بچوں کے دنیوی واخروی احکام تک بیان کیے گئے ہیں۔ اسی طرح عصر حاضر کے ایک فاضل ڈاکٹر عبدالکریم زیدان نے ''احکام الذمیین والمستأمنین'' کے نام سے کوئی

* سابق مدیر، سہ ماہی منہاج، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، پاکستان

ساڑھے پانچ سوصفحات پر مشتمل تفصیلی کتاب مرتب کی ہے جس میں ذمیوں کے صرف شخصی احوال ومسائل کی تفصیل میں کوئی پونے دوسوصفحات پر مشتمل بحث کی گئی ہے۔علیٰ ہذاالقیاس عالم اسلام کے بعض دوسرے مشہور علماء مثلاً ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی ، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، مولانا سیدمودودی اور صالح بن حسین العاید وغیرھم نے بھی زیر بحث موضوع کو اپنی تحقیق وتوجہ کا مرکز بنایااوراس سلسلے میں گرانقدر کتابیں مرتب کی ہیں۔

درج بالاتفصیل اور وضاحت سے یہ بتانامقصود ہے کہ اسلام میں اہل الذمہ یاغیر مسلم اقلیتوں کا معاملہ کوئی ثانوی یاغیرضروری درجے کانہیں بلکہ ہمیشہ اور ہردور میں انتہائی اہمیت وتوجہ کا حامل رہاہے۔ایسا کبھی نہیں ہوا کہ محض غیر مسلم اور اقلیت ہونے کی بنا پر انکے ساتھ ناانصافی اور زیادتی کی گئی ہو یا ان کے حقوق کونظرانداز کیا گیا ہو اوران کے مسائل پر توجہ نہ کی گئی ہو۔فقہاء وعلماء اسلام کی اس غیر معمولی توجہ کا بڑاباعث اورسبب قرآن مجید میں اھل الذمہ کے متعلق اصولی ہدایات کے بعدخود پیغمبراسلام نبی رافت ورحمت حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا اس معاملے میں بے مثال طرزعمل ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل الذمہ یا غیر مسلم رعایا کے ساتھ جس کمال ہمدردی، خیرخواہی، عدل وانصاف، احسان، رواداری،فراخدلی، فیاضی اور حد درجہ حسن سلوک کا عملی مظاہرہ فرمایا، انسانی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔زیرنظرتحریر میں باقی تمام فقہی تصریحات کوچھوڑتے ہوئے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی اسوہ حسنہ اوراس سلسلے میں تعلیمات نبوی کی قدرے تفصیل بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اہل الذمہ سے مراد:

زیر بحث موضوع کی تفصیل میں جانے اورآگے بڑھنے سے قبل مناسب ہوگا کہ ایک نظر اہل الذمہ کے بنیادی مفہوم اور مراد اور موضوع سے متعلق چندضروری توضیحات پر بھی ڈال لی جائے۔تو واضح رہنا چاہیے کہ اہل الذمہ سے مرادوہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلامی ریاست کے خلاف جنگ کی ہواوراس کی تلوار سے شکست کھانے کے بعداسلامی حکومت کی اطاعت پر مجبور ہوئے ہوں یا جنگ کے بغیرایک معاہدہ کے تحت اسلامی ریاست کی برتری اور اطاعت قبول کر لی ہو۔ یہ لوگ اسلامی حکومت کی مفتوح رعایا ہوتے ہیں۔حکومت ان مفتوح ومغلوب مخالفین کا عام جنگجوؤں کی طرح قتل عام نہیں کرتی بلکہ انہیں آزادی کے ساتھ جینے اور ترقی کرنے کے مواقع دیتی ہے۔حکومت صرف ان کے جنگ کے قابل مردوں پر جزیہ کے نام سے ایک معمولی ساٹیکس لگاتی ہے اور جو زمینیں ان کے زیرکاشت ہوتی ہیں ان پران سے خراج وصول کرتی ہے۔ان کے تمام انسانی،شخصی معاشرتی، مذہبی، سیاسی اور معاشی حقوق (جن کی تفصیل آگے آرہی ہے) بذریعہ قانون محفوظ کردیے گئے ہیں جوشریعت اسلامی کا ایک لازمی جزء ہیں

اور ایک اسلامی حکومت پر ان کی حفاظت اور ادائیگی اسی طرح واجب ہے جس طرح شریعت کے دوسرے احکام کی حفاظت و ادائیگی واجب ہے۔ ان حقوق کی ادائیگی شرعی حکم کے طور پر ہے نہ کہ اہل الذمہ کے ساتھ احسان کے طور پر۔

ذمی اور معاہد میں اس پہلو سے فرق ہے کہ ذمی کو اسلامی ریاست اپنی طرف سے حقوق دیتی ہے جبکہ معاہد ریاست سے کیے گئے معاہدہ کے تحت اپنے حقوق کا تعین کرتا ہے۔ مگر ہمارے علماء جب ذمی کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو یہ دونوں طرح کے لوگ اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ علامہ ابن اثیر نے معاہد کے متعلق لکھا ہے:

المعاهد من كان بينك وبينه عهد واكثر ما يطلق في الحديث على اهل الذمة وقد يطلق على غيرهم من الكفار اذا صولحوا على ترك الحرب مدة ما۔(۱)

معاہد آدمی وہ ہے کہ تمہارے درمیان اور اس کے درمیان کوئی عہد و پیمان (معاہدہ) ہو۔ حدیث میں اس کا زیادہ تر اطلاق اہل الذمہ (ذمیوں) پر ہوتا ہے۔ اور کبھی ان کے علاوہ یہ ان غیر مسلموں کے لیے بھی بولا جاتا ہے جن سے کسی مدت تک کے لیے جنگ بندی کی صلح ہو جائے۔

ذمی کی طرح معاہد پر بھی کسی نوع کی دست درازی کا کسی کو حق نہیں ہوگا۔ علامہ ابن اثیر اس کے مال کی حیثیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لانه معصوم المال يجرى حكمه مجرى حكم الذمى۔(۲)

اس لیے کہ اس کے مال کو عصمت اور حفاظت حاصل ہے۔ اس پر وہی حکم نافذ ہوگا جو ذمی پر نافذ ہوتا ہے۔

معاہدین اور اہل الذمہ کے علاوہ وہ غیر مسلم جو کسی اور صورت میں اسلامی قلم رَو میں آ کر آباد ہو گئے ہوں مثلاً ہجرت کر کے یا تجارتی مقاصد کے لیے اسلامی ریاست میں آئے ہیں اور یہیں آباد ہو گئے ہوں تو وہ بھی قانونی طور پر اہل الذمہ کے زمرے میں آجاتے ہیں اور ان کے لیے بھی وہ تمام حقوق ہیں جو دوسری قسم کے ذمیوں کو دیے گئے ہوں۔ لیکن اسلامی ریاست شریعت کی حدود کے اندر انہیں مزید رعایت بھی دے سکتی ہے۔ اس وقت مسلمان ممالک میں جو غیر مسلم رہائش پذیر ہیں وہ اس تیسری قسم کے تحت آتے ہیں۔ جنہیں آج کل کی مروجہ اصطلاح میں اہل الذمہ کی بجائے ''غیر مسلم اقلیتیں'' کہا جاتا ہے۔ انہیں اس گئے گزرے دور اور سیاسی اعتبار سے زوال کے زمانے میں بھی اسلامی ممالک میں وہ تمام حقوق حاصل ہیں جو صدیوں پہلے اسلام کے عروج و غلبہ کے زمانے میں اہل الذمہ کو اسلامی ممالک میں حاصل تھے۔

اھل الذمہ کی معاشرتی وسماجی حیثیت:

اہل الذمہ کے الفاظ کے اندر اتنی جامعیت اتنی معنویت اتنی فصاحت و بلاغت اور اتنی گہرائی موجود ہے کہ یہ الفاظ ہی اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے معاشرتی مرتبہ و مقام، سماجی حیثیت، عزت واحترام اور ان کے تمام حقوق کا ایک طرح سے تعین کر دیتے ہیں۔ اسی معنویت کو دیکھتے ہوئے مولانا سید مودودی نے لکھا ہے:

> ذمی کوئی گالی نہیں ہے اور نہ یہ لفظ شودر اور ملیچھ کا ہم معنی ہے۔ ذمہ عربی زبان میں (Guarantee) کو کہتے ہیں اور ذمی وہ شخص ہے جس کے حقوق ادا کرنے اور محفوظ رکھنے کا اسلامی حکومت نے ذمہ لیا ہو۔ (۳)

اسی طرح مولانا مناظر احسن گیلانی ذمی کے لفظ میں پنہاں معنویت کیطرف یوں اشارہ کرتے ہیں:

> مسلمانوں کے عہد حکومت کی غیر مسلم رعایا جن کا اصطلاحی نام ذمی ہے۔ ذمی کے اس لفظ کو بلا وجہ رسوا کرنے کی کوشش جو کی گئی ہے اور ایسے مہیب تصورات کو اس کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے کہ شاید خود مسلمانوں کو بھی اس لفظ کے استعمال میں گونہ شرمندگی سی محسوس ہونے لگی ہے۔ حالانکہ اس لفظ ہی میں کوئی بات ایسی نہیں جو مسلمانوں کے لیے باعث ندامت ہو۔ اردو میں بھی ذمہ کا عربی لفظ مستعمل ہے۔ مسلمانوں کی حکومت غیر مسلم اقوام کے جن لوگوں کی عزت جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر لیتی ہے، ذمہ کے لفظ کے ساتھ نسبت کی ''ی'' کا اضافہ کر کے ذمی کا لفظ بنالیا گیا ہے اور رعایا کے اس طبقہ کی تعبیر اس سے کی جاتی ہے۔ پھر آپ ہی بتایئے کہ اس میں مسلمانوں کے لیے شرمانے کی کیا بات ہے۔ (۴)

لغوی اعتبار سے بھی اس لفظ میں کوئی اہانت کا پہلو موجود نہیں۔ چنانچہ ذمی کا لفظ ''ذمة'' سے ماخوذ ہے اور لفظ ''ذمہ'' عہد، ضمانت، کفالت، امان، حرمت، ذمہ داری، حق کے معنوں میں آتا ہے۔ اسی وجہ سے اہل العہد (جو لوگ باقاعدہ ایک معاہدے کے تحت اسلامی ریاست کی اطاعت قبول کرتے ہیں) کو اھل الذمہ کہا جاتا ہے اور وہ اصطلاح میں وہ تمام مشرکین ہیں جو اسلامی ریاست کو جزیہ دینا قبول کر لیتے ہیں اور ''رجل ذمی'' (ذمی آدمی) کے معنی ہیں ''رجل له عهد'' یعنی وہ شخص جس سے اسلامی ریاست کا کوئی عہد و پیان ہو۔ اور اھل الذمہ کو ذمی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اہل اسلام کے عہد اور امان میں داخل ہو جاتے ہیں (لدخولهم في عهد المسلمين وامانهم)۔ (۵)

الغرض ''ذمہ'' اور ''ذمی'' کی اصطلاح اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اسلامی ریاست اور اسلامی

معاشرہ ان لوگوں کے حقوق کی ذمہ داری لے رہے ہیں اور ریاست کی نظر میں غیر مسلم شہری کوئی ''محکوم باج گزار'' نہیں بلکہ ایسے معزز شہری ہیں جن کے تمام حقوق کے سلسلے میں اسلامی حکومت اپنی مسؤلیت اور ذمہ داری کا پورا پورا احساس رکھتی ہے۔

حکومت اور رعایا کے تعلق کی نوعت:

ایک اسلامی حکومت جو دنیا کی دیگر حکومتوں کے برعکس اپنی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے خلافت (نیابت الٰہی) کہلاتی ہے۔ اسکے درمیان اور اس کی رعایا کے درمیان تعلق ورشتہ کس نوعیت اور کن جذبات واحساسات پر مبنی ہوتا ہے، اس کا اندازہ ''خلیفہ'' اور ''رعایا'' کے الفاظ کے مفہوم ومعنی پر ایک نظر ڈالنے سے ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ہم یہاں علم سیاست کے کسی ماہر یا سیاسی مصطلحات کے کسی عالم کی بجائے معروف صحابی حضرت سلمان فارسیؓ کی زبانی خلیفہ اسلام کی پہچان بتائے دیتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

ان الخلیفة هو الذی یقضی بکتاب الله ویشفق علی الرعیة شفقة الرجل علیٰ أهله فقال کعب الاحبار صدق۔(٦)

بے شک خلیفہ (اسلامی ریاست کا حکمران) وہ ہوتا ہے جو کتاب اللہ (قرآن مجید) کے مطابق فیصلہ کرے اور اپنی رعایا/عوام پر اسی طرح شفقت کرے جس طرح آدمی اپنے اھل وعیال پر شفقت کرتا ہے۔ یہ سن کر کعب احبار نے کہا انہوں نے واقعی سچ کہا۔

اسلامی حکومت یا حکمرانوں اور ان کی رعایا کے درمیان کمال ہمدردی اور خیر خواہی کے تعلق اور خلیفہ کی ذمہ داری کے حوالے سے مشہور تابعی حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان درج ذیل مکالمہ بھی قابل ملاحظہ ہے۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ امیر معاویہؓ کے پاس آئے تو سلام کے طور پر کہا: السلام علیك أیها الاجیر (اے مزدور تمہارے اوپر سلامتی ہو) لوگوں (درباریوں) نے کہا حضرت! ''السلام علیك أیها الأمیر'' کے الفاظ سے سلام کہیں۔ آپ نے پھر کہا ''السلام علیك أیها الأجیر'' تو لوگوں نے کہا: أیها الأمیر کے الفاظ سے سلام کہیے۔ آپ نے تیسری بار بھی السلام علیك أیها الأجیر ہی کے الفاظ سے سلام کیا۔ لوگوں نے کہا کم از کم امیر ہی کہہ دیں۔ اس پر امیر معاویہؓ نے کہا لوگو! ابو مسلم کو چھوڑ دو وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اسے بخوبی جانتے ہیں۔ حضرت ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ آپ اجیر (مزدور) ہیں۔ ان بھیڑ بکریوں (رعایا) کی حفاظت ونگرانی کے لیے ان

کے مالک (باری تعالیٰ) نے تمہیں اجرت پر رکھا ہے۔ اگر تو نے ان میں خارش زدہ بکریوں کے زخموں پر مرہم رکھی اور بیماروں کا علاج کیا اور پہلی سے لے کر آخری تک کو اپنی جگہ پر روک رکھا (یعنی ان کی پوری نگرانی کی اور انہیں بھیڑیے وغیرہ سے بچا کر رکھا) تو ان کا مالک تمہیں پورا پورا اجر دے گا اور اگر تم نے ان کی خارش زدوں کے زخموں پر مرہم نہ رکھی اور بیمار بکریوں کا علاج نہ کیا اور تمام بکریوں کی حفاظت ونگرانی نہ کی تو ان کا مالک (باری تعالیٰ) تمہیں سزا دے گا۔(۷)

لفظ راعی اور رعایا کی تشریح:

اسی طرح لفظ رعایا کی تشریح وتحقیق بھی بڑی حد تک اسلامی حکومت اور رعایا کے درمیان تعلق کی نوعیت واضح کر دیتی ہے۔ سید سلیمان ندوی نے بڑی عمدہ تحقیق لکھی ہے، فرماتے ہیں:

حدیثوں میں لفظ راعی اور رعیت بار بار آئے ہیں۔ یہ الفاظ لفظ ''رعی'' سے نکلے ہیں جن کے اصل معنی جانوروں کے چرانے کے ہیں۔ راعی چرواہا اور رعیۃ وہ ہے جس کو وہ چرائے اور جس کی وہ نگرانی کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کسی کی رعیت وہ ہے جس کی تربیت، پرورش، نگرانی اور حفاظت کسی راعی ومحافظ کے سپرد ہو۔ تو درحقیقت ایک امیر کی حیثیت ایک شفیق ومحافظ چرواہے کی ہے جو اپنے گلے کو سرسبز چراگاہوں میں لے جاتا ہے اور انکی شکم سیری کا سامان کرتا ہے۔ درندوں سے انکی حفاظت کرتا ہے اور حادثات سے ان کو بچاتا ہے۔ اس تشریح کے مطابق یہ غور طلب ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر لفظ رعیت کس قدر شفقت آمیز اور پرمحبت معنوں میں آیا ہے اور ظالم وسفاک امراء اپنے عمل سے اس کو کتنے ذلیل اور پست معنوں میں استعمال کر رہے ہیں حالانکہ اسی لفظ میں ان کی ذمہ داریوں کا ایک بڑا دفتر پوشیدہ ہے۔(۸)

یقیناً اسی ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا کلّکم راع و کلّکم مسئول عن رعیته فالامیر الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیته۔۔ الخ۔(۹)

آگاہ رہو تم میں سے ہر ایک آدمی (اپنی جگہ) نگران/ حاکم ہے اور (قیامت کے دن) اس سے اس کی رعیت (ماتحت لوگوں) کے بارے میں باز پرس ہوگی تو (اس قاعدے کے تحت) لوگوں پر امیر/حکمران بھی ایک نگران/ چرواہا ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے پوچھا جائے گا۔

لوگوں کے تحفظ حقوق کے معاملے میں حکمرانوں کی شریعت اسلامیہ میں کیا ذمہ داریاں ہیں؟ اس سلسلے میں

ایک اور حدیث نبوی ملاحظہ ہو:

سانحہ کربلا کا مرکزی کردار عبیداللہ بن زیاد مشہور صحابی حضرت معقل بن یسارؓ کے مرض الوفات میں آپ کی عیادت کے لیے آیا تو فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میری زندگی کچھ عرصہ کے لئے مزید باقی ہے تو تمہیں یہ حدیث نہ بتاتا۔ پھر آپ نے کہا:

سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول مامن عبد یسترعیه اللّٰہ رعیة فلم یحطها بنصیحة الا لم یجد رائحة الجنة۔(۱۰)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جس بندہ کو اللہ کسی رعیت کا راعی یعنی حاکم ونگران بنائے اور وہ اسکی خیر خواہی پوری پوری نہ کرے تو وہ حاکم جنت کی خوشبو بھی نہ پاسکے گا۔

اس حدیث کی شرح میں مولانا منظور نعمانی نے لکھا ہے:

اس حدیث میں اور اس کے علاوہ بعض اور حدیثوں میں بھی امیر یعنی صاحب حکومت کو ''راعی'' اور اس کے زیر حکومت عوام کو ''رعیت'' کہا گیا ہے۔ اصل عربی زبان میں راعی کے معنی چرواہے اور نگران کے ہیں اور رعیت وہ ہے جس کو وہ چرائے اور جس کی حفاظت ونگرانی اسکے ذمہ ہو۔ صرف یہ دو لفظ یہ بتلانے کے لیے کافی ہیں کہ اسلام میں حکومت وامارت کا کیا تصور ہے۔ اور حکمرانوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔ فرض شناس چرواہے ان جانوروں کو جن کا چرانا اور جن کی نگرانی ونگہبانی ان کے ذمہ ہوتی ہے، سرسبز چراگاہوں میں لے جاتے ہیں، درندوں چوروں اور رہزنوں سے ان کی حفاظت کرتے ہیں اور شام کو گھر واپس لاتے ہیں۔ اس طرح ان کو کھلانا پلانا اور ان کی دیکھ بھال ہی اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ ان حدیثوں نے بتلایا کہ اسلام میں یہی حیثیت خلیفہ اور حکمران کی ہے۔ وہ عوام کا محافظ اور رکھوالا ہے اور ان کی ضروریات کی فکر اس کی ذمہ داری ہے اور اگر وہ اس سلسلہ میں بے پروائی برتے گا تو اللہ کے نزدیک مجرم ہوگا۔(۱۱)

ذمیوں کے حقوق کے معاملے میں اسلام کا عمومی قاعدہ:

ذمیوں کے حقوق سے متعلق اسلام کے عمومی قاعدہ اور بنیادی پالیسی کے بارے علامہ ابن عابدین شامی نے الدر المختار کے حاشیہ میں لکھا ہے:

اگر ہم (اسلامی افواج) غیر مسلم قوم کا محاصرہ کرلیں تو جنگ سے قبل ہم انہیں اسلام کی دعوت دیں گے اگر وہ اسلام لے آئیں توفبھا۔ اگر وہ اسلام لانے سے انکار کریں تو انہیں جزیہ قبول

کرنے کی دعوت دی جائے گی بشرطیکہ وہ جزیہ کا محل ہوں جیسا کہ عنقریب آگے آئے گا۔ اس کے بعد علامہ موصوف نے ایک اصول اور قاعدہ کلیہ کے طور پر درمختار کی عبارت یوں نقل کی ہے:

فان قبلوا ذالك فلهم مالنا وعليهم ما علينا۔(۱۲)

پس اگر وہ جزیہ دینا قبول کرلیں تو ان کے لیے وہی حقوق ہیں جو ہمارے (مسلمانوں کے) لیے ہیں اور ان کے اوپر وہ فرائض/ ذمہ داریاں ہیں جو ہمارے اوپر (مسلمانوں پر عائد ہوتی) ہیں۔

علامہ کاسانی نے اسی مفہوم کی ایک حدیث نبوی بھی نقل کی ہے، لکھتے ہیں:

قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلّم: فاذا قبلوا عقد الذمة فأعلمهم انّ لهم ما للمسلمين وعليهم ماعلى المسلمين۔(۱۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر جب وہ عقد ذمہ (ذمی کی حیثیت سے اسلامی ریاست میں رہنا) قبول کرلیں تو انہیں بتا دو کہ ان کے لیے وہی حقوق ہیں جو مسلمانوں کے لیے ہیں اور ان پر وہی ذمہ داریاں ہیں جو مسلمانوں پر ہیں۔

درج بالا حدیث نبوی کے متعلق ڈاکٹر عبدالکریم زیدان نے لکھا ہے کہ اگرچہ یہ حدیث معروف کتب حدیث میں موجود نہیں تاہم اس کا معنی فقہاء اسلام کے نزدیک مقبول ہے۔(۱۴)

اسی طرح امام سرخسی نے شرح السیر الکبیر میں لکھا ہے:

ولانهم قبلوا عقدالذمة لتكون أموالهم وحقوقهم كأموال المسلمين وحقوقهم۔(۱۵)

اور اس لیے کہ انہوں (غیر مسلموں) نے عقد ذمہ اسی لیے قبول کیا ہے کہ انکے مالوں اور حقوق کو وہی حیثیت ومرتبہ اور حرمت حاصل ہوجائے جو مسلمانوں کے مالوں اور انکے حقوق کو حاصل ہے۔

جبکہ مشہور فقیہ ابن نجیم نے ''احکام الذمی'' کی بحث میں لکھا ہے کہ چند احکام کو چھوڑ کر باقی معاملات میں ''حکمہ حکم المسلمین'' اس کا حکم وہی ہے جو دوسرے مسلمانوں کا حکم ہے۔(۱۶)

مشہور حنفی فقیہ اور قاضی القضاۃ امام ابو یوسف نے عباسی خلیفہ ہارون الرشید کو اہل الذمہ کے ساتھ برتاؤ اور انہیں ہر ظلم واذیت سے بچانے کی یوں ہدایت فرمائی:

وقد ينبغى ياأميرالمؤمنين أيدك الله أن تتقدم فى الرفق بأهل ذمة نبيك وابن عمك محمد صلى الله عليه وسلم والتفقدلهم حتى لايظلموا ولايؤذوا ولا يكلفوا فوق طاقتهم ولا يؤخذ شئى من أموالهم الا بحق يجب عليهم۔(۱۷)

اے امیر المؤمنین! اللہ آپ کی تائید ونصرت فرمائے آپ کے لیے مناسب یہ ہے کہ آپ ان لوگوں (اہل الذمہ) کے ساتھ نرمی میں سبقت کرنے والے بن جائیں جن کی حفاظت کا ذمہ آپ کے نبی اور آپ کے چچا کے بیٹے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا ہے اور ان کی نگرانی کریں حتی کہ ان پر نہ ظلم کیا جائے نہ انہیں کسی قسم کی اذیت پہنچائی جائے اور نہ انہیں ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف دی اور نہ ان کے اموال سے کوئی چیز لی جائے الا یہ کہ ان پر کوئی حق واجب ہوتا ہو۔

اھل الذمہ پر ہر قسم کی زیادتی سے ممانعت نبوی:

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں عملی طور پر اہل الذمہ کے ساتھ ہمدردانہ، عادلانہ، فیاضانہ بلکہ احسان پر مبنی طرز عمل اختیار فرمایا وہاں اپنی امت اہل اسلام اور اسلامی حکمرانوں کو بھی ان پر کسی بھی قسم کی زیادتی اور ظلم کرنے اور ناروا بوجھ ڈالنے سے منع فرمایا اور ایسے مؤثر پیرائے میں منع فرمایا کہ اس کے بعد کم از کم ایک مسلمان ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ ظلم و زیادتی اور ظالموں کے لیے جو وعیدیں قرآن وسنت میں آئی ہیں ان سب کا اطلاق اہل ذمہ پر کیے جانے والے ظلم پر بھی ہوتا ہے بلکہ اسلامی ریاست میں اہل الذمہ عددی لحاظ اور بعض دوسرے پہلوؤں سے چونکہ کمزور ہو سکتے ہیں اس لیے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ظلم کرنے والے کے لیے بطور خاص وعید سنائی ہے۔ چنانچہ مشہور حنفی فقیہ امام ابو یوسف نے یہ مرفوع حدیث بیان کی ہے جسے دوسرے محدثین نے بھی نقل کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ارقم کی اھل الذمہ سے جزیہ وصول کرنے کی ڈیوٹی لگائی۔ جب وہ آپ کے ہاں سے روانہ ہو پڑے تو انہیں آواز دے کر بلایا اور فرمایا:

> الا من ظلم معاهدا أو كلفه فوق طاقته أوانتقصه أوأخذ منه شيئا بغير طيب نفسه فانا حجيجهٔ يوم القيامة۔ (۱۸)
>
> سن لو جس آدمی نے کسی معاہد (جس غیر مسلم کے جان و مال کے تحفظ کا حکومت نے ذمہ لے رکھا ہے) پر ظلم کیا یا اسے اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دی۔ یا اس کے حق میں کمی کی یا اس کی دلی خوشنودی کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو قیامت کے دن میں اس (غیر مسلم معاہد) کی طرف سے مدعی بن کر کھڑا ہوں گا۔

یہاں یہ بات انتہائی قابل توجہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مسلمان مظلوموں کے بارے یہ نہیں فرمایا کہ میں ان کی طرف سے قیامت کے دن ظالم کے خلاف عدالت الٰہی میں استغاثہ دائر کروں گا مگر اہل الذمہ کے بارے فرمایا جا رہا ہے کہ ان پر کسی مسلمان یا عامل نے زیادتی کی تو میں ان کا مدعی اور مستغیث بنوں گا۔

اب جس ذمی/غیر مسلم کی وکالت کرنے والے خود نبی اکرمؐ ہوں تو کون مسلمان ہوگا جو اس پر زیادتی کا تصور بھی کر سکے۔

اسی طرح سنن ابی داؤد میں ایک روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لعلکم تقاتلون قوما تظهرون علیهم فیتقونکم باموالهم دون انفسهم وابنائهم (وفی روایة فیصالحونکم علی صلح) فلا تصیبومنهم فوق ذلك فانه لا یصلح لکم۔(۱۹)

ہوسکتا ہے کہ تمہاری کسی قوم سے جنگ ہو اور تم ان پر غلبہ پا رہے ہو تو وہ تمہیں اپنے اموال (جزیہ وخراج) کے بدلے اپنی اور اپنے بال بچوں کی جانیں بچانے کی پیشکش کرے۔ (جبکہ ایک روایت میں ہے کہ وہ تم سے ایک صلح نامہ طے کرلیں) تو پھر اس مقررہ خراج سے (ایک حبہ بھی) زائد نہ لینا کیونکہ وہ تمہارے لئے جائز نہ ہوگا۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ان احادیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

ان دونوں حدیثوں کے الفاظ عام ہیں اور ان سے یہ قاعدہ کلیہ مستنبط ہوتا ہے کہ معاہد ذمیوں کے ساتھ صلح نامہ میں جو شرائط طے ہو جائیں۔ ان میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ نہ ان پر خراج بڑھایا جاسکتا ہے۔ نہ ان کی زمینوں پر قبضہ کیا جاسکتا ہے نہ ان کی عمارتیں چھینی جاسکتی ہیں نہ ان پر سخت فوجداری قوانین نافذ کیے جاسکتے ہیں نہ ان کے مذہب میں دخل دیا جاسکتا ہے نہ ان کی عزت وآبرو پر حملہ کیا جاسکتا ہے اور نہ کوئی ایسا فعل کیا جاسکتا ہے جو ظلم یا انتقام یا تکلیف مالایطاق اور ''اخذ بغیر طیب نفس'' کی حدود میں آتا ہو۔ انہی احکام کی بنا پر فقہائے اسلام نے صلحاً فتح ہونے والی قوموں کے متعلق کسی قسم کے قوانین مدون نہیں کیے ہیں اور صرف یہ عام قاعدہ وضع کرکے چھوڑ دیا ہے کہ ان کے ساتھ معاملہ بالکل شرائط کے مطابق ہوگا۔(۲۰)

علی ہذا القیاس زیر بحث معاملے میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اہل اسلام کو یوں متنبہ فرمایا:

من آذمی ذمیا فانا خصمه ومن کنت خصمه خصمته یوم القیامة۔(۲۱)

جس آدمی نے کسی ذمی کو اذیت پہنچائی تو (ذمی کی طرف سے) میں اس کا مدمقابل اور جھگڑا کرنے والا ہوں گا اور جس (بدبخت آدمی) کا میں مدمقابل ہوا تو قیامت کے دن میں اس پر غالب آنے والا ہوں گا۔

نجران کے عیسائیوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تحریری معاہدہ فرمایا تھا اس میں بطور خاص یہ بات بھی درج تھی کہ:

ولا یؤخذ منھم رجل بظلم آخر۔(۲۲)

اور ان میں کسی آمی کو دوسرے کے ظلم/ جرم کے عوض نہیں پکڑا جائے گا۔

اسلامی ریاست میں کسی شہری پر باقاعدہ مقدمہ چلائے اور اس کا جرم ثابت کیے بغیر اسے گرفتار نہیں رکھا جا سکتا ہے۔خود عہد نبوی کا ایک ذاتی واقعہ حضرت بہز بن حکیم اپنے دادا (معاویہ) کے حوالے سے یوں نقل کرتے ہیں کہ:

> وہ (یعنی ان کے دادا) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔انہوں نے (خطبہ کے دوران ہی) سوال کیا کہ میرے پڑوسیوں کو کس قصور میں گرفتار کیا گیا ہے؟ آپؐ نے (خطبہ کے باعث) دو مرتبہ تو ان کے سوال کا جواب دینے سے اعراض فرمایا۔مگر انہوں (سائل) نے پھر کچھ کہا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران خطبہ ہی فرمایا:
>
> ''خلوا له عن جیرانه'' (اس کی خاطر اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دو)۔(۲۳)

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اھل الذمہ کے ساتھ جس کمال عدل و انصاف کا مظاہرہ فرمایا۔اس کا اعتراف خود اھل الذمہ کو بھی تھا۔ایک گواہی ملاحظہ ہو:

> حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح فرمایا تو یہ شرط رکھی کہ خیبر کی ساری زمین آپؐ (اسلامی ریاست) کی ہوگی اور سب سونا چاندی بھی۔اھل خیبر نے کہا ہم زمین کے کام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر جانتے ہیں لہذا نصف بٹائی پر زمین ہمیں دے دیجیے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست قبول کر لی پھر حسب معاہدہ وہاں کی پیداوار کی تقسیم کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو مقرر فرمایا۔وہ وہاں گئے اور تخمینہ کر کے ہر کھجور کے درخت سے ایک خاص مقدار وصول کرنا چاہی تو اس پر یہودیوں نے کہا: یہ مقدار تو زیادہ ہے انہوں نے کہا اچھا میں دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہوں اور تمہیں آدھا حصہ دے دوں گا۔اس انصاف پسندی سے یہود اس قدر متاثر ہوئے کہ سب کے سب یک زبان ہو کر پکار اٹھے:
>
> ھذاالحق به تقوم السماء والارض قدرضینا ان نأخذه بالذی قلت۔(۲۴)

یہ وہ حق و انصاف ہے جس پر زمین و آسمان کا نظام قائم ہے۔ جو کچھ آپ نے کہا ہم اس کے قبول کرنے پر راضی ہیں۔

جبکہ امام یوسف نے اس واقعہ کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یوں نقل کیا ہے کہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو فتح فرمایا تو اہل خیبر نے آپؐ سے عرض کیا، ہم خیبر کی زمین پر کام کرنا آپ سے زیادہ جانتے ہیں: اس پر آپؐ نے انہیں نصف بٹائی پر کام کرنے کی اجازت دے دی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو پیداوار کی تقسیم کے لیے ان کے پاس بھیجا۔ تو انہوں نے آپ (عبداللہ بن رواحہ) کو ہدیہ دینا چاہا جسے آپ نے رد کر دیا اور فرمایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہارے اموال کھانے کے لیے نہیں بھیجا۔ مجھے تو آپ نے محض اس مقصد کے لیے بھیجا ہے کہ میں تمہارے درمیان اور آپؐ کے درمیان حسب معاہدہ پیداوار کی تقسیم کردوں۔ پھر فرمایا: اگر تم چاہو تو کل پیداوار کی آدھی آدھی تقسیم اور وزن کا کام میں کر دیتا ہوں اور تم انتخاب کر لینا اور اگر پسند کرو تو یہ تقسیم کا کام تم خود ہی کرلو۔ اس کمال انصاف پسندی اور نرمی پر وہ بول اٹھے: ''بھذا قامت السموات والارض'' (اسی انصاف پسندی کے ساتھ آسمانوں اور زمین کا نظام قائم و باقی ہے)۔(۲۵)

عہد نبوی میں ذمیوں کی جان کا تحفظ:

اسلام میں رنگ، نسل، عقیدہ، مذہب کی تمیز کے بغیر ہر انسان کی جان مال اور عزت و آبرو کو حاصل تقدس، حرمت، عزت اور احترام پر قرآن وسنت کی بے شمار نصوص گواہ ہیں۔ جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ قرآن وسنت کی انہی نصوص کے پیش نظر علماء اصول نے انسانی جان و مال کے تحفظ کو شریعت کے پانچ بنیادی اور ضروری مقاصد میں شمار کیا ہے۔(۲۶) اسلامی ریاست میں ایک ذمی/ غیر مسلم شہری کی جان و مال بھی از روئے قرآن اتنی ہی قیمتی اور اتنی ہی لائق احترام وحفاظت ہے جتنی کسی مسلمان کی۔ قانون کی نظر میں ایک مسلمان اور ذمی کی جان میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں کا خون برابر ہے۔ جب کوئی غیر مسلم فرد یا قوم عقد ذمہ کے ذریعے اسلامی ریاست کی شہری بن جاتی ہے تو اس کا سب سے پہلا حکم اور اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کے جان و مال کو عصمت حاصل ہو جاتی ہے۔(۲۷)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تاریخ ساز اور اسلامی تعلیمات کے نچوڑ خطبہ یوم النحر میں بڑے مؤثر تجسس آمیز اور حیرت انگیز اسلوب بیان میں لوگوں پر واضح فرمایا کہ:

ان دماء کم واموالکم واعراضکم حرام علیکم کحرمة یومکم هذا فی بلدکم هذا فی

شهر كم هذا۔(۲۸)

بے شک تمہارے خون اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تمہارے اوپر اسی طرح حامل حرمت و عصمت ہیں جس طرح تمہارے آج کے دن کی حرمت ہے تمہارے اس شہر اور تمہارے اس مہینے میں۔

البتہ یہاں زیر بحث مسئلے میں یہ بات تحقیق طلب ہے کہ آیا ایک مسلمان ذمی/غیر مسلم کے بدلے میں قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے ایک استفسار کے جواب میں اپنے پاس ایک کتاب کے اندر درج بعض شرعی احکام کی تفصیل بتائی تو اس میں ایک حکم یہ بھی تھا کہ

وان لا يقتل مسلم بكافر۔(۲۹)

اور یہ کہ کسی مسلمان کو کس کافر کے بدلہ (قصاص) میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

جبکہ بعض دوسری کتب حدیث میں یہ حکم ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے:

الا لا يقتل مؤمن بكافر ولا ذو عهد في عهده۔(۳۰)

سن لو کسی مومن کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی معاہد کو قتل کیا جائے گا جب تک کہ اس سے معاہدہ ہے۔

ان احادیث کی بنیاد پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ بعض دوسرے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ مسلمان قاتل کو کافر کے بدلے (قصاص) میں قتل نہیں کیا جائے گا۔(A-۳۰)

ان احادیث میں ذمی کے مسلمان قاتل سے قصاص نہ لینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسے کوئی دوسری سزا بھی نہیں دی جائے گی اور نہ اس کے خلاف تادیبی کاروائی ہو گی۔ حکومت اس کیخلاف تادیبی اور قانونی کاروائی کرتے ہوئے اسے قید و بند کی سزا دے سکتی ہے۔

جبکہ دوسری طرف امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ مسلمان قاتل سے بھی ذمی کا قصاص لیا جائے گا۔ ان حضرات کی ایک دلیل تو قرآن مجید کی یہ آیت ہے کہ:

وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ۔(۳۱)

اور ہم نے ان پر یہ فرض کر دیا تھا کہ جان کا بدلہ جان ہے اور آنکھ کا آنکھ، ناک کا ناک، کان کا کان

اور دانت کا بدلہ دانت اور تمام زخموں میں قصاص (برابری) ہے۔

یہاں ''النفس بالنفس'' (جان کے بدلہ میں جان) میں مسلمان اور ذمی کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں کہا گیا ہے کہ کافر کے قصاص میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا تو اس سے ذمی کافر نہیں بلکہ حربی کافر مراد ہے۔ ظاہر ہے جس سے جنگ ہے اس کا خون ایک مسلمان یا ذمی و معاہد کے خون کے برابر نہیں ہوسکتا۔ حربی کافر مباح الدم ہوتا ہے جبکہ ذمی کافر کو ریاست کی طرف سے با قاعدہ تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اس معاملے میں مسلمان کے برابر ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان روایات کے مقابلے میں بعض ایسی روایات بھی موجود ہیں جن سے احناف نے اپنے مذکورہ موقف پر استدلال کیا ہے۔ مثلاً:

عہد نبوی میں ایک مسلمان نے کسی ذمی شخص کو قتل کر دیا۔ اسکا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

أنا أولى من وفى بذمته وفى رواية انا احق من وفى بذمته۔

اس کے ذمہ کو وفا کرنے کا سب سے زیادہ حقدار اور ذمہ دار میں ہوں۔

پھر قاتل کے قتل کر دینے کا حکم دیا اور وہ قتل کر دیا گیا۔ (۳۲)

علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی معاہد/ذمی کے ناحق قتل پر اخروی وعیدیں بھی سنائی ہیں تا کہ کوئی مسلمان کسی ذمی پر ہاتھ اٹھانے کا سوچ بھی نہ سکے۔ چنانچہ اس سلسلے میں حضرت ابو ہریرہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا من قتل نفسا معاهدة له ذمة الله وذمة رسوله فقداخفر بذمة الله فلايرح رائحة الجنه وان ريحها لتوجد من مسيرة سبعين خريفاً۔ (۳۳)

سن لو جس نے کسی معاہد/ذمی کو قتل کیا جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے تو اس نے اللہ کے ذمہ کو توڑ دیا پس وہ (اس جرم کی سزا میں) جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا حالانکہ اس کی خوشبو ستر سال کی مسافت پر بھی پائی جاتی ہے۔

اسی طرح اس جرم کی سنگینی واضح کرتے ہوئے ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا:

عن عبدالله بن عمرو عن النبى صلى الله عليه وآله وسلم قال من قتل معاهد الم يرح رائحة الجنة وان ريحها لتوجد من مسيره أربعين عاما۔ (۳۴)

حضرت عبداللہ بن عمرو نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی نے کسی معاہد/ ذمی کو قتل کیا تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت پر بھی پائی جاتی ہے۔

جبکہ ایک اور روایت میں کسی معاہد/ ذمی کے ناحق قتل پر جنت کے حرام ہونے کی وعید سنائی۔(۳۵)

مال و جائیداد کو تحفظ:

جس طرح اہل الذمہ کی جان اور زندگی کا تحفظ اسلامی ریاست کی ذمہ داری اور ان کا بنیادی حق ہے جس کی قدرے تفصیل اوپر آ گئی ہے۔ اسی طرح ان کے اموال و جائیداد کی حفاظت اور احترام بھی ان کا لازمی حق اور اسلامی ریاست کا فرض ہے۔ عہد نبوی میں کسی آدمی کو ان کے مال پر غاصبانہ قبضہ کرنے اور ان کی املاک و جائیداد سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں جنگ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ جنگ کے بعد یہود نے آ کر شکایت کی کہ لوگ ہمارے مال مویشی پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا لا یحل أموال المعاهدین الا بحقها۔(۳۶)

خبردار سن لو! معاہدین کے اموال (تمہارے لیے) حلال نہیں سوائے اس کے کہ ان کے لینے کا (ریاست کی طرف سے) حق ہو۔

حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ غزوہ خیبر کے موقع پر ایک یہودی نے جو بڑا شریر تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شکایت کی کہ آپ کے لوگ ہمارے جانوروں کو ذبح کر رہے ہیں ہمارے پھل کھا رہے ہیں عورتوں کے ساتھ مار پیٹ ہو رہی ہے۔ آپؐ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے ذریعے تمام لوگوں کو اکٹھا کیا۔ ان پر سخت ناراض ہوئے، خطبہ دیا جس میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی فرمایا:

ان اللّٰہ لم یحل لکم أن تدخلوا بیوت أهل الکتاب الا باذن ولا ضرب نسائهم ولا اکل ثمارهم إذا أعطوکم الذی علیهم۔(۳۷)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اہل کتاب کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونے کو حلال قرار نہیں دیا ہے اور نہ ان کی عورتوں کو مارنے اور نہ ان کے پھل کھانے کی اجازت دی ہے۔ جبکہ وہ اپنے اوپر واجب (جزیہ) کو تمہیں اداء کر دیں۔

اہل الذمہ کو حاصل حقوق:

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اسلامی ریاست میں اہل الذمہ/غیر مسلم رعایا کو جس فراخدلی سے مذہبی، معاشی، سماجی، حقوق اور آزادی عطا فرمائی، اس کا اندازہ نجران ۳۸) کے عیسائیوں کے ساتھ آپؐ کے تحریری معاہدے سے ہوسکتا ہے جسے الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ امام ابو یوسف، ابوعبید قاسم بن سلام، بلاذری اور ابن قیم وغیرھم متعدد کبار مؤرخین نے نقل کیا ہے۔ اس معاہدہ کے الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان پر مکمل غلبہ و اختیار حاصل ہونے اور ان کے ساتھ کچھ بھی کر گزرنے کی طاقت رکھنے کے باوجود نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی نرم شرائط اور برائے نام خراج و جزیہ پر ان سے جو معاہدہ فرمایا، اس سے بڑھ کر کوئی رواداری اور انصاف کا معاملہ نہیں ہوسکتا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ نجران کے عیسائیوں کا جو وفد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کرنے کے لیے مدینہ منورہ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد نبوی میں اتارا۔ کچھ دیر بعد ان کی نماز کا وقت ہوا تو وہ مسجد نبوی میں ہی نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اس پر صحابہ نے انہیں روکنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعوھم (انہیں چھوڑ دو یعنی نماز پڑھنے دو) چنانچہ انہوں نے مشرق کی طرف رخ کیا اور اپنے طریقہ کے مطابق نماز ادا کی۔ (۳۹)

بہر کیف نجران کے عیسائیوں کے ساتھ مذکورہ معاہدہ کے متن (از زادالمعاد) کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔ جو مولانا امین احسن اصلاحی کی ''اسلامی ریاست'' سے ماخوذ ہے جبکہ عربی عبارت طوالت کے خوف سے چھوڑ دی گئی ہے۔

> بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ معاہدہ محمد رسول اللہ نے اہل نجران کے لیے (اس وقت) لکھا جب انہیں (آنحضرت کو) ان کی تمام پیداوار، ہر سیاہ و سفید و زرد اور غلاموں کے بارے میں ہر فیصلہ کا پورا اختیار تھا، مگر انہوں نے ان کے حال پر عنایت کی اور یہ سب چھوڑ کر صرف اس پر قناعت کی کہ وہ صرف دو ہزار حلے (سالانہ) دیں گے۔ ایک ہزار رجب کے مہینہ میں اور ایک ہزار صفر کے مہینہ میں اور ہر حلہ کی قیمت ایک اوقیہ محسوب ہوگی۔ (۴۰)
>
> حلوں میں جو کمی بیشی ہوگی اس کا حساب اوقیہ سے ہوگا جو زرہیں یا گھوڑے یا اونٹ یا سامان یہ دیں گے وہ سب ان کے حساب میں منہا ہوگا۔ میرے جو نمائندے نجران جائیں گے بیس روز یا اس سے کم مدت تک ان کی میزبانی نجران کے لوگوں کے ذمہ ہوگی۔ میرے نمائندوں کو خراج کی

تحصیل کے سلسلہ میں ایک مہینہ سے زیادہ نہیں روکا جائے گا۔ اگر یمن میں کوئی ہنگامی صورت پیدا ہوگی تو یہ تیس زرہیں، تیس گھوڑے اور تیس اونٹ رعایۃً دیں گے۔ اور جو سامان جنگ وزرہیں یا گھوڑے یا اونٹ یہ عاریۃً دیں گے اس میں سے جو ضائع ہوگا اس کے ضامن میرے نمائندے ہوں گے۔ اور نجران اور اس کے متعلقات (Dependenceis) کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے، ان کی جانوں کے لیے، ان کے مالوں کے لیے، ان کی زمینوں کے لیے، ان کے حاضر وغائب، قوم اور ماتحتوں سب کے لیے۔ اس وقت ان کی جو حیثیت ہے وہ برقرار رکھی جائے گی نہ ان کے کسی حق میں کوئی تغیر کیا جائے گا اور نہ ان کے مذہب میں دخل اندازی کی جائے گی۔ نہ ان کے کسی پادری کو اس کے مقام سے ہٹایا جائے گا، نہ کسی راہب سے کوئی تعرض کیا جائے گا، نہ کسی راہب سے کوئی تعرض کیا جائے گا نہ کسی صلیب خانے کے کلید بردار کو اس کے مقام سے ہٹایا جائے گا، جو کچھ ان کے قبضہ میں ہے، خواہ کم ہے یا زیادہ، اس سے بھی کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ زمانہ جاہلیت (قبل از غلبہ اسلام) کے کسی خون اور کسی الزام کے بارہ میں ان سے کوئی مطالبہ نہ ہوگا۔ خراج کی وصولی کے لیے ان کو جمع ہو کر حاضر ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا بلکہ ان کے ہاں خود پہنچ کر وصولی کی جائے گی اور ان سے عشور (چنگی) نہیں لیا جائے گا۔ ان پر کسی فوج کو حملہ آور نہ ہونے دیا جائے گا۔ اور ان میں سے جو کسی حق کا مدعی ہوگا تو ان کے درمیان بے لاگ انصاف کیا جائے گا۔ لیکن جو کوئی سود کھائے گا تو اس کی ذمہ داری سے میں بری ہوں اور ان میں سے کسی شخص کو کسی دوسرے کے جرم میں نہیں پکڑا جائے گا۔ اس معاہدہ میں جو باتیں لکھی گئی ہیں ان پر اللہ اور اس کے نبی اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ہے یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ظاہر ہو اور جب تک یہ حق خیر خواہی ادا کرتے رہیں اور اپنی اٹھائی ہوئی ذمہ داریوں کے بارے میں بغیر کسی زیادتی کے راہ راست پر رہیں۔ (۴۱)

درج بالا معاہدہ نجران کی مختصر تشریح وتوضیح مولانا امین احسن اصلاحی نے یوں کی ہے:

اس معاہدہ میں اہل نجران پر جو ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ دو ہزار حلے سالانہ، دو قسطوں میں وہ بطور خراج دیں گے۔ (۴۲)

۲۔ اگر یمن میں کوئی ہنگامی صورت پیدا ہوگئی تو تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور تیس زرہیں یہ مستعار دیں گے۔ حکومت اس سامان کی ضامن ہوگی اور اس میں سے جو ضائع ہوگا وہ ادا کرے گی۔

۳۔ حکومت کے تحصیلداروں اور دوسرے حکام کی، جو خراج کی تحصیل وغیرہ کے سلسلہ میں نجران جائیں گے، بیس روز یا اس سے کم مدت تک میزبانی اہل نجران کے ذمہ ہوگی۔(۴۳)

۴۔ خراج کی ادائیگی تاریخ واجب الادا سے ایک ماہ کے اندر اندر کردی جائے گی۔

۵۔ سودی کاروبار کی انہیں اجازت نہیں ہوگی۔

ان پانچ ذمہ داریوں کے بالمقابل اہل نجران کے لیے اسلامی حکومت نے مندرجہ ذیل حقوق تسلیم کیے ہیں۔

۱۔ نجران اور اس سے متعلق آبادیوں کے لوگوں (خواہ آزاد ہوں یا غلام) کے جان و مال، مذہب اور املاک کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔

۲۔ ان کی سابق حیثیت برقرار رکھی جائے گی۔

۳۔ ان کے مذہب میں کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا۔

۴۔ ان کے مذہبی نظام، مذہبی اداروں اوراوقاف وغیرہ میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔

۵۔ زمانہ جاہلیت (قبل از تسلط حکومت اسلامی) کے کسی الزام اور کسی خون کے بارہ میں ان سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔

۶۔ خراج کی تحصیل، تحصیل داران کے ہاں جا کر کریں گے، انہیں کسی دوسرے علاقے میں حاضر ہوکر ان کی ادائیگی کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

۷۔ ان سے چنگی نہیں وصول کی جائے گی۔

۸۔ بیرونی حملہ آوروں سے ان کی حفاظت کی جائے گی۔

۹۔ ان کے مقدمات اور جھگڑوں کو طے کرنے کے لیے ان کے علاقہ کے اندر عدالتی نظام قائم کیا جائے گا۔

(۱۰) کوئی شخص کسی دوسرے کے جرم میں گرفتار نہیں کیا جائے گا۔(۴۴)

اسی طرح شاہان حمیر (یمن) الحارث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال اور النعمان کی طرف سے ان کے اسلام قبول کر لینے کی اطلاع پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف ایک طویل مکتوب ارسال فرمایا جس میں انہیں اسلامی احکام وفرائض سے مطلع کیا گیا۔اس میں مذہبی آزادی کے حوالے سے آنجناب نے یہ بھی تحریر فرمایا:

وانه من أسلم من يهودى أونصرانى فانه من المؤمنين له مالهم وعليه ما عليهم ومن كان على يهوديته أو نصرانيته فانه لا يردعنها وعليه الجزية ـــ فان له ذمة الله وذمة

رسولہ۔(۴۵)

بے شک جو یہودی یا نصرانی اسلام قبول کر لے تو بلاشبہ وہ مومنین میں سے ہے۔اس کے لیے وہی حقوق و مراعات ہیں جو تمام مومنوں کے لیے ہیں اور اس پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو دوسرے مومنوں پر عائد ہیں اور جو آدمی اپنی یہودیت (یہودی مذہب) یا اپنی نصرانیت (نصرانی مذہب) پر قائم رہنا چاہے تو اسے جبر کے ذریعے اپنے مذہب سے ہٹایا نہیں جائے گا۔البتہ اس پر (اس کی جان و مال کی حفاظت کے بدلے) جزیہ عائد ہوگا۔۔۔ بے شک اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔

اہل الذمہ کے ساتھ حضورؐ کا لین دین:

سماجی تعلقات و مراسم کا ایک اہم اور سرفہرست دستور باہمی لین دین، خرید وفروخت، کاروباری تعلقات اور معاملات بھی ہے۔ جو چیزیں شریعت کی نگاہ میں حرام ہیں۔مثلاً شراب اور خنزیر وغیرہ ان کی خرید وفروخت اور لین دین کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔البتہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرایا ہے ان کا اھل الذمہ سے لین دین جائز ہے۔خود نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

انّ النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلم اشتریٰ طعاما من یھود ی الیٰ أجل درھنہ ورعہ من حدید۔(۴۶)

بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے ایک مدت تک کھانے کا سامان خریدا اور اس کے پاس اپنی لوہے کی ذرہ رہن رکھی۔

حضرت عائشہ ہی کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حیات نبوی کے آخری دور کا واقعہ ہے۔فرماتی ہیں:

توفی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ودرعہ مرھونۃ عند یھودی بثلاثین صاعامن شعیر۔(۴۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ کی ذرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے عوض بطور رہن رکھی ہوئی تھی۔

کاروباری آزادی:

اسلامی ریاستوں میں غیر مسلم اھل الذمہ نے کئی پیشے اختیار کیے اور ان پیشوں کے ذریعے بڑا پیسہ بڑی شہرت بڑا نام اور بڑا مرتبہ و مقام حاصل کیا۔مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنے ایک مقالہ (بعنوان: مسلمانوں کی

حکومت میں غیر مسلم اقوام) میں مسلمان حکومتوں میں ایک غیر مسلم طبقہ جس نے طبابت اور علاج معالجہ کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا، کا ذکر حسب معمول بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ غیر مسلم اطباء کا یہ تذکرہ کوئی ۵۶-۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں مولانا گیلانی نے تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ عہد نبوی سے لے کر عباسیوں کے عہد حکومت تک غیر مسلم اطباء کو اپنے کاروبار کے معاملے میں کتنی آزادی حاصل رہی ہے۔ مسلمان خلفاء کس غیر معمولی انداز میں اور کس فراخدلی سے ان کی طبی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے رہے ہیں، مسلمان خلفاء کے نزدیک ان کو کیا معاشرتی مرتبہ و مقام حاصل تھا۔ وہ ان خلفاء کے دربار میں کتنا اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ کس شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے تھے۔ کتنے دولت مند تھے وغیرہ وغیرہ۔ بہر کیف اس تفصیلی مقالہ میں مولانا گیلانی نے سنن ابی داؤد کے حوالے سے عہد نبوی میں مکہ میں موجود ایک غیر مسلم طبیب حارث بن کلدہ کے بارے میں لکھا ہے:

> فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جو فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ آئے، اتفاقاً بیمار ہو گئے تو ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سعد کو مشورہ دیا ''ایت الحارث بن کلدة أخاثقیف فانه رجل یتطبب (۴۸)

قبیلہ ثقیف کے حارث بن کلدہ کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ ایسا آدمی ہے جو لوگوں کا علاج کرتا ہے۔ دوسری طرف جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ابن مندہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ خود حارث بن کلدہ کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ:

> عالج سعدامما به۔ (۴۹) (سعد جس مرض میں مبتلا ہیں تم اس کا علاج کرو)

کیا اس کے بعد یہ دریافت کرنے کی چیز رہ جاتی ہے کہ غیر مسلم اطباء سے علاج معالجہ کا جو تعلق مسلمانوں نے آئندہ مسلسل قائم رکھا، اس میں خود ان کے پیغمبر کے اس طرز عمل کو دخل نہ تھا جو حارث کے ساتھ قائم کر کے صحابہ کو آپ نے دکھایا تھا۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ اگر چاہتے تو مسلمانوں کے مقدس ترین شہر مکہ سے اس غیر مسلم طبیب کو نکل جانے کا حکم بآسانی دے سکتے تھے۔ (۵۰)

حجاز میں ذمیوں کے لیے رہائش کی ممانعت نبوی اور اس کی وجہ:

اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری/اہل الذمہ کو ملک کے جس شہر، دیہات اور علاقے میں آباد ہونا چاہیں، گھر بنانا چاہیں اور مستقل رہائش اختیار کرنا چاہیں تو ان کا قانونی حق ہے۔ اس میں کئی رکاوٹ کھڑی نہیں کی جائے گی۔

البتہ اس عام اجازت میں ایک استثناء ہے اور وہ یہ ہے کہ انہیں جزیرۃ العرب اور حجاز کے مخصوص علاقے

میں مستقل رہائش و سکونت کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے اور پیغمبر کا حکم اور ہر بات از روئے قرآن ''وحی الٰہی'' ہوتی ہے۔(۵۱) اور اسلامی ریاست کے دستور کی ساری بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ قرآن وسنت یا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی بلا تأمل و تردد اور غیر مشروط طور پر تعمیل کی جائے۔

دوسرے ہر ریاست کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مخصوص عقائد و نظریات اور اپنی پالیسی کے مطابق ملک کے داخلی قوانین و ضوابط وضع کرے اور انہیں اپنی حدود مملکت کے اندر نافذ کرے۔ جس پر کسی دوسرے کو اعتراض نہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ عالمی منشور انسانی حقوق کے آرٹیکل نمبر ۲۹ کی دفعہ نمبر ۲ میں ہے:

اپنے حقوق اور آزادیوں کے سلسلے میں ہر شخص صرف قانون کی عائد کردہ ان پابندیوں کے دائرہ میں رہے گا جن کا مقصد دوسروں کے حقوق اور آزادیوں کے احترام کو یقینی بنانا ہے۔(۵۲)

بہرکیف زیر بحث مسئلے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ:

لأخرجن اليهود والنصارى من جزيرة العرب حتى لا أدع الا مسلماً۔(۵۳)

میں ضرور بضرور یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دوں گا یہاں تک کہ وہاں سوائے مسلمان کے کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔

اسی طرح متعدد محدثین نے حضرت عبداللہ بن عباس کے واسطہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وصیت نقل کی ہے کہ:

اخرجوا المشركين من جزيرة العرب۔(۵۴)

مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دینا۔

ایک حدیث میں آپؐ نے مذکورہ وصیت یا ارشاد کی حکمت یوں بیان فرمائی:

لا يجتمع دينان فى جزيرة العرب۔(۵۵)

جزیرہ العرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔

جبکہ ایک دوسری حدیث میں اس چیز کی وضاحت یوں فرمائی:

لا يصلح قبلتان فى ارض واحدة وليس على المسلمين جزية۔(۵۶)

دو اہل قبلہ کا ایک ہی جگہ پر اکٹھے رہنا صحیح نہیں اور مسلمانوں پر کوئی جزیہ نہیں۔

اسلامی حکومت کی اسی پالیسی کی رو سے اور یہود کی عہد شکنی کے باعث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے مشہور یہودی قبائل بنونضیر اور بنوقریضہ کو مدینہ منورہ سے جلاوطنی کا حکم دیا تھا۔(۵۷)

مذکورہ بالا تمام احادیث میں جزیرۃ العرب یا حجاز کے اندر صرف مستقل سکونت سے ممانعت ہے نہ کہ تجارت یا کسی دوسری غرض سے آمدورفت سے بھی۔ ابن قدامہ فرماتے ہیں:

ویجوزلھم دخول الحجاز للتجارۃ لان النصاری کانوا یتجرون الی المدینۃ فی زمن عمرؓ۔(۵۸)

اور ان کے لیے تجارت کی غرض سے حجاز میں داخل ہونا جائز ہے۔ کیونکہ عیسائی تجار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدینہ منورہ تک تجارت کرتے تھے۔

ابن قدامہ نے حجاز میں ان کی مدت قیام زیادہ سے زیادہ چار دن لکھی ہے۔ تاہم اگر کوئی غیر مسلم آدمی حجاز میں بیمار ہو جائے تو اس کے لیے اس سے زیادہ عرصہ قیام کرنا بھی جائز ہے۔ کیونکہ مریض کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ تکلیف کا باعث ہے اور جو آدمی اس کی تیمارداری پر مامور ہو اس کے لیے بھی مریض کے ساتھ زیادہ عرصہ رہنا جائز ہے کیونکہ مریض کا اس کے بغیر رہنا مشکل ہے۔ اسی طرح حجاز میں کسی آدمی پر اس کا دَین ہو اور مدیون آدمی ٹال مٹول کر رہا تو دَین کی وصولی تک غیر مسلم آدمی کا حجاز میں قیام جائز ہوگا۔(۵۹)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا وصیت ''اخرجوا الیھود والنصاری من جزیرۃ العرب'' (جزیرۃ العرب سے یہود و نصاریٰ کو نکال دینا) اصولی طور پر داخلی قانون سازی کی ایک مثال ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اس ضمن میں مذکورہ بالا حدیث کی وضاحت اور شبہات کا ازالہ کرتے ہوئے کہا ہے:

چونکہ یہ علاقہ اب اسلام کا مرکز قرار دیا گیا ہے اور اب یہ علاقہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسلام کا روحانی دارالحکومت ہوگا، لہذا اب یہاں صرف اور صرف نظریہ اسلام کو رہنے کی اجازت ہوگی۔ اور باقی نظریات و مذاہب کے ماننے والوں کے سامنے اب صرف دو پرامن راستے ہیں یا تو اپنی آزاد مرضی سے اسلام قبول کرلیں یا جزیرۃ عرب سے نکل کر کسی اور جگہ جا کر آباد ہو جائیں۔ ان اسباب کی بنا پر یہ حکم دیا گیا کہ آئندہ جزیرہ عرب میں کوئی غیر اسلامی نظریاتی طاقت موجود نہ ہو۔ بلکہ یہاں خالص اسلامی عقیدے کی پاسداری اور حکمرانی ہونا چاہیے۔ اس لیے یہاں غیر مسلموں کے آباد ہونے کو روکا گیا۔ یہ خیال نہ فرمایئے کہ ایسا کسی تعصب یا غیر مسلموں سے نفرت کی بنیاد پر کیا گیا۔ دنیا کے نظاموں میں آج بھی اس طرح کا تصور موجود ہے۔ اگر آپ روم تشریف لے گئے ہوں تو

آپ نے وہاں شہر روما کا ایک بہت بڑا اور مشہور تاریخی محلہ ضرور دیکھا ہوگا جو ''ویٹی کن'' کے نام سے مشہور ہے۔ جہاں رومن کیتھولک عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ یہاں پاپائے اعظم رہتا ہے وہاں غیر کیتھولک کو جائیداد خریدنے اور مستقل آباد ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ وہ اس کو اپنے دین کا مرکز بنانا چاہتے ہیں۔ اس طرح کی اور مثالیں بھی موجود ہیں ماضی میں بھی موجود تھیں اور آج بھی موجود ہیں۔ اسی نوعیت کی مثال یہ ہے کہ جزیرہ عرب میں غیر مسلموں کو مستقل طور پر آباد ہونے سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے۔ یہ ایک داخلی قانون سازی کی مثال ہے جس کے بین الاقوامی تضمنات ہیں۔(۶۰)

حوالہ جات وحواشی

(۱) ابن الاثیر مجد الدین مبارک بن محمد الجزری (م ۶۰۶ ھ) النھایہ فی غریب الحدیث، احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ت۔ن، ۳/ ۳۲۵ (مادہ عہد)

(۲) حوالہ مذکور

(۳) اسلامی ریاست، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص:۴۸۳

(۴) مقالات گیلانی، (مقالہ: مسلمانوں کی حکومت میں غیر مسلم اقوام)، شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص:۳۹۴-۳۹۵

(۵) دیکھیے: ابن منظور، لسان العرب، دار صادر بیروت، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء، ۱۲/ ۲۲۱

(۶) ابوعبید القاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ) کتاب الاموال، مؤسسہ ناصر للثقافۃ بیروت۔ لبنان، ۱۹۸۱ء، ص:۱۰

(۷) دیکھیے: ابن تیمیہ احمد بن عبدالحلیم حرانی (م ۷۲۸ھ)، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، دارالکتب العربیہ، بیروت۔ لبنان، ۱۳۸۶ھ، ص:۳ ؛ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی (م ۴۳۰ھ)، حلیۃ الاولیاء، مطبعۃ السعادۃ مصر، ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۳ء، ۲/ ۱۲۵

(۸) سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبیؐ، الفیصل اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۱ء، ۷/ ۷۹-۸۰

(۹) دیکھیے: بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، دار ابن کثیر، دمشق، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۲ء، ۶/ ۲۶۱۱، حدیث نمبر ۶۷۱۹ ؛ مسلم، ابن الحجاج قشیری (م ۲۶۱ھ)، الجامع الصحیح (مع شرح نووی)، کتاب الامارۃ باب فضیلۃ الامیر العادل الخ، طبع کلاں کراچی، ۲/ ۱۲۲ ؛ ابو داؤد سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب الخراج والفیئی والامارۃ باب ما یلزم الامام من حق الرعیۃ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲/ ۵۸، رقم ۲۹۲۸

(۱۰) دیکھیے: بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام باب من استرعی رعیۃ فلم ینصح، طبع کلاں کراچی، ۲/ ۱۰۵۸؛ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب لامارۃ، باب فضیلۃ امیر العادل الخ، طبع کلاں کراچی، ۲/ ۱۲۲؛ مشکوٰۃ، کتاب الامارۃ والقضاء، الفصل الاول، طبع کلاں کراچی، ص:۳۲۱

(۱۱) معارف الحدیث، ادارہ اشاعت حدیث، لاہور، ت۔ن، ۷/ ۲۳۶

(۱۲) حاشیہ رد المحتار علی الدر المختار، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ت۔ن، ۴/ ۱۲۸

(۱۳) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۷/ ۱۰۰

(۱۴) احکام الذمیین والمستأمنین فی دارالاسلام، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت-لبنان، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء، ص:۶۱

(۱۵) سرخسی،، محمد بن احمد بن ابی سہل (م۴۸۳ھ)، شرح السیر الکبیر، دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد، ہند، ت ـ ن، ۲۵۰/۳

(۱۶) الاشباہ والنظائر (مع شرح الحموی) ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، ۱۴۳۲ھ/۲۰۰۴ء، ۸۳/۳

(۱۷) کتاب الخراج (ضمن کتاب موسوعۃ الخراج)، دارالمعرفۃ بیروت ـ لبنان، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء، ص:۱۲۵

(۱۸) ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، طبع مذکور، ص ۱۲۵؛ ابوداؤد سلیمان بن اشعث (م۲۷۵ھ) السنن، کتاب الخراج والفیئ والامارۃ باب فی تعشیر اھل الذمۃ، مکتبہ رحمانیہ، ۱۷۰/۲، رقم ۳۰۵۲

(۱۹) ابو داؤد، السنن، کتاب الخراج والفئ والامارۃ باب تعشیر اھل الذمۃ، ۱۷۰/۲، رقم ۳۰۵۱؛ یحیٰ بن آدم قرشی (م۲۰۳ھ) کتاب الخراج (ضمن کتاب موسوعۃ الخراج)، دارالمعرفۃ، بیروت ـ لبنان، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء، ص:۱۷۵، پیرہ ۲۳۷

(۲۰) اسلامی ریاست، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص:۳۴۴

(۲۱) سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن ابن ابی بکر (م۹۱۱ھ)، الجامع الصغیر من حدیث البشیر النذیر، ۴۷۳/۲؛ بحوالہ عبدالکریم زیدان، احکام الذمیین والمستأمنین، طبع مذکور، ص:۷۵

(۲۲) ابو یوسف، کتاب الخراج، ص:۷۲

(۲۳) ابو داؤد، السنن، کتاب القضاء باب فی الدین ھل یحبس بہ، ۱۵۵/۲، رقم ۳۶۳۱

(۲۴) ابو داؤد، السنن، کتاب البیوع باب فی المساقاۃ، ۱۲۸/۲، رقم ۳۴۰۹

(۲۵) کتاب الخراج، (در کتاب موسوعۃ الخراج)، ص:۵۱

(۲۶) دیکھیے: شاطبی، ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ (م۷۹۰ھ)، الموافقات فی اصول الشرعیہ، دارالفکر العربی بیروت ـ ت ـ ن ۴/۲

(۲۷) کاسانی، ابوبکر علاء الدین (م۵۸۷ھ)، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۱۱/۷

(۲۸) ولی الدین خطیب محمد بن عبداللہ تبریزی (م۷۳۷ھ)، مشکوۃ المصابیح، کتاب المناسک باب خطبۃ یوم النحر، طبع کلاں کراچی، ۲۳۳

(۲۹) دیکھیے: بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الدیات باب لایقتل المسلم بالکافر، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۰۲۱/۲؛ ابن ماجہ، السنن، ابواب الدیات باب لا یقتل مسلم بکافر، قدیمی کتب خانہ کراچی، ص:۱۹۱؛ عسقلانی، ابن حجر، فتح الباری شرح البخاری، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۳۲۲/۱۲، رقم ۶۹۱۵

(۳۰) دیکھیے: ابوداؤد، السنن، کتاب الدیات، باب ایقاد المسلم من الکافر، ۲۷۷/۲، رقم ۴۵۳۰؛ نسائی، احمد بن شعیب، السنن، کتاب القسامۃ باب سقوط القود من المسلم للکافر، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۴۱/۲ عسقلانی،

فتح الباری،۱۲/۳۲۴

(A-۳۰) حاشیہ سنن ابی داؤد، طبع مذکور۲/ ۷۷ ؛عسقلانی، فتح الباری،۱۲/۳۲۲

(۳۱) سورۃ المائدہ، ۵:۴۵

(۳۲) اکمل الدین البابرتی، العنایہ شرح الہدایہ، مکتبہ التجاریۃ الکبری، مصر، ۱۹۸۰ء، ۸/۲۵۶ ؛ عسقلانی، ابن حجر، فتح الباری، قدیمی کتب خانہ، کراچی،۱۲/۳۲۴ ؛ یحیٰ بن آدم قرشی (م۲۰۳ھ) کتاب الخراج، (ضمن کتاب موسوعۃ الخراج)، دارالمعرفۃ بیروت۔ لبنان،ص:۶۷(پیرہ ۲۳۸)

(۳۳) ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م۲۷۹ھ)، جامع، ابواب الدیات باب ماجاء فیمن یقتل نفسا معاهدا، طبع کلاں درسی، ۱/۳۹۱-۳۹۲ ؛ ابن ماجہ ابوعبداللہ محمد بن یزید (م۲۷۳ھ)، السنن، ابواب الدیات باب من قتل معاهدا، قدیمی کتب خانہ کراچی،ص:۱۹۳

(۳۴) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الدیات، باب من قتل ذمیا بغیر جرم،۲/۱۰۲۱ ؛عسقلانی، ابن حجر، فتح الباری شرح البخاری، قدیمی کتب خانہ کراچی،۱۲/۳۲۰-۳۲۱ ؛ عینی، بدرالدین ابی محمد محمود بن احمد (م۸۵۵) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، ت۔ن،۲۴/۱۰۹.نسائی، السنن، کتاب القسامۃ باب تعظیم قتل المجاهد، مکتبہ رحمانیہ، لاہور،۲/۲۴۱

(۳۵) ابوداؤد، السنن، کتاب الجهاد، باب فی الوفاء للمعاهد و حرمة ذمته،۲/۳۲، رقم ۲۷۶۰

(۳۶) ابوداؤد، السنن، کتاب الاطعمه، باب ماجاء فی اکل السباع،۲/۱۷۷، رقم ۳۸۰۵

(۳۷) ابوداؤدالسنن، کتاب الخراج و الفئی والامارة باب فی تعشیر اهل الذمه،۳/۸۱، رقم ۳۰۴۹

(۳۸) نجران متعدد ہیں۔ایک نجران یمن میں ہے، دوسرا بحرین میں، تیسرا دمشق کے قریب حوران میں اور چوتھا عراق میں کوفہ اور واسطہ کے درمیان ہے۔یمن کا نجران مکہ سے بیس دن کی مسافت پر ہے۔یمن کے اساقفہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کومباہلے کی دعوت دی۔ پھر انہوں نے آپ سے جزیہ پر صلح کر لی۔ سید فضل الرحمٰن، فرہنگ سیرت، زوار پبلی کیشنز، کراچی،۲۰۰۳ء،ص:۲۹۷

(۳۹) دیکھیے: ابن قیم الجوزیہ (م۷۵۱ھ)، زادالمعاد فی هدی خیر العباد، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء، ۳/۶۲۹ ؛ ابن کثیر، ابوالفداء بن اسماعیل (م۷۷۴ھ)، سیرۃ النبی (اردو ترجمہ مولانا ہدایت اللہ ندوی)، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار لاہور،۲/۵۶۶ ؛شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، الفیصل اردو بازار، لاہور،۱۹۹۱ء،۲/۳۴

(۴۰) حلہ دو یمنی چادروں پر مشتمل ہوتا ہے اور ایک اوقیہ چالیس درہم کے مساوی تھا۔

(۴۱) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ابو یوسف، کتاب الخراج،ص:۷۲ ؛ ابوعبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال، اردو ترجمہ، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، پیرہ نمبر۵۰۲،ص:۲۸۶ ؛ بلاذری، احمد بن یحیٰ، فتوح البلدان، دارالکتب

العلمیہ، بیروت۔لبنان، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء، ص:۷۵-۷۶؛ ابن قیم، زادالمعاد، طبع مذکور، ۶۳۴/۳-۶۳۵

(۴۲) بطور خراج کے الفاظ میں (مولانا امین احسن اصلاحی) نے بالقصد اس لیے لکھے ہیں کہ فقہاء کی تصریح کے مطابق اہل نجران پر جزیہ نہیں لگایا گیا تھا۔ کتاب الخراج، ص:۶۹

(۴۳) یہ شرط اس زمانہ میں اس لیے ضروری تھی کہ یہ آبادیاں مرکز دارالاسلام سے دور تھیں اور ان کے اندر نہ تو مسلمان آباد تھے کہ مسلمان عمال کی میزبانی کا باران پر ڈالا جاتا اور نہ ابھی سرکاری اہل کاروں کے ٹھہرنے کے لیے ڈاک بنگلے وجود میں آئے تھے۔

(۴۴) اصلاحی، امین احسن، اسلامی ریاست، دارالتذکیر، لاہور، ص:۱۸۷-۱۸۸

(۴۵) دیکھیے: ابن اسحاق محمد بن یسار المطلبی (م۱۵۱ھ)، السیرۃ النبویہ، دارالنفائس کریم پارک لاہور، ت۔ن، ۶۵۸/۲-۶۵۹

(۴۶) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب شراء النبیؐ بالنسیئة نیز ابواب الرهن باب الرهن عند الیهود وغیرهم، ۳۴۱/۱؛ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب المساقاة والمزارعة باب الرهن وجوازه فی الحضر ولسفر، ۳۱/۲

(۴۷) دیکھیے: بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المغازی باب وفاة النبی، ۶۴۱/۲ نیز کتاب الجهاد باب ما قیل فی درع النبی والقمیص فی الحرب؛ ابن سعد، محمد (۲۳۰ھ)، الطبقات الکبریٰ، بیروت، ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء، ۴۴۲/۱؛ ابویعلی الموصلی، احمد بن علی (م۳۰۷ھ، مسند، بیروت، ت۔ن، ۱۱۷/۴؛ قسطلانی احمد بن محمد (م۹۲۳ھ)، المواهب اللدنیہ، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۱ء، ۳۸۵/۲؛ خفاجی شہاب الدین (م۱۰۵۸ھ)، نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء، ۴۰۱/۲

(۴۸) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب الطب باب فی تمرة العجوة، ۱۸۵/۲، رقم ۳۸۷۹

(۴۹) ابن حجر عسقلانی، (م۸۵۲ھ)، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، دارالمعرفة بیروت۔لبنان، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء، ۳۲۸/۱

(۵۰) مقالات گیلانی، طبع مذکور، ص:۳۷۰-۳۷۱

(۵۱) ارشاد الٰہی ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (سورۃ النجم، ۵۳:۳-۴) اور وہ (پیغمبر اسلام) نہیں کلام کرتے خواہش نفس (اپنی طرف) سے۔ وہ جو بھی بات کرتے ہیں وحی ہوتی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

(۵۲) محمد صلاح الدین، بنیادی حقوق، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ص:۹۱

(۵۳) مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الجهاد والسیر باب اجلاء الیهود من الحجاز، ۹۴/۲

(۵۴) دیکھیے: بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجهاد باب هل یستشفع الی اهل الذمة ومعاملتهم، ۴۲۹/۱؛

بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجهاد باب اخراج الیهود من جزیرة العرب، ۱/۴۴۹؛ مسلم الجامع الصحیح، کتاب الوصیة باب ترک الوصیة لمن لیس له شئی یوصی فیه، ۲/۴۳؛ ابوداؤد، السنن، کتاب الخراج والفئی والامارة باب فی اخراج الیهود من جزیرة العرب، ۲/۷۸، رقم ۳۰۲۸

(۵۵) امام مالک بن انس (م ۱۷۹ھ)، موطا، کتاب الجامع باب ماجاء فی اجلاء الیهود من المدینة) دارالغد الجدید، المنصورہ، مصر، ۲/۵۶۴

(۵۶) ابوداؤد، السنن، کتاب الخراج والفیء باب فی اخراج الیهود من جزیرة العرب، ۲/۷۹، رقم ۳۰۳۱؛ ترمذی، جامع، ابواب الزکوٰة، باب ماجاء لیس علی المسلمین جزیة، ۱/۲۵۵

(۵۷) دیکھیے: مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الجهاد والسیر باب اجلاء الیهود من الحجاز، ۲/۹۴؛ ابوداؤد، السنن، کتاب الخراج والفئی والامارة باب فی اخراج الیهود من جزیرة العرب، ۲/۷۸

(۵۸) المغنی، مکتبہ الریاض الحدیثہ، ریاض، ت۔ن، ۸/۵۳۰

(۵۹) حوالہ مذکور

(۶۰) اسلام کا قانون بین الممالک (خطبات بہاولپور)، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، (اشاعت اول)، ص: ۸۷-۸۸

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆